بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اِس مرتبہ ہم ایک آیت اور چار حدیثوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حکومت و قیادت کا شعبہ چونکہ دوسرے تمام دائروں پر اثر انداز ہوتا ہے، اس وجہ سے اسلام نے اہلِ ایمان و تقویٰ کو اس معاملے میں بڑی واضح ہدایات بھی دی ہیں اور کوتاہ کاری کی صورت میں سخت وعیدیں بھی سنائی ہیں۔ ان چیزوں کو وقتاً فوقتاً مطالعہ میں لانا چاہیے۔ اور ان میں تدبّر کرنا چاہیے۔

سورۂ حج کی آیت ۴۱ (اَلَّذِيْنَ مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ...... الخ) اوّلین مقام رکھتی ہے مدعا یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام اور اسلام کے احکام و قوانین کا نفاذ ان خوش اوصاف لوگوں کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ جنہیں اگر خدا تعالیٰ زمین میں قوت و اقتدار دے تو وہ نمازوں کو قائم کرائیں اور زکوٰۃ کا ادارہ قائم کر کے نادار اور حاجت مند اور مصیبت زدہ آبادی کو سہارا دیں۔ اور انہیں اُوپر اُٹھائیں۔ جو معروف، یعنی جانی پہچانی نیکیوں کے لیے حکم جاری کریں اور برائیوں کے انسداد کا انتظام کریں۔ اس آیت سے پہلے کے حصّے کے ساتھ ربط دے کر اسے پڑھا جائے تو یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ یہ بھاری کام صرف وہ لوگ کر سکتے ہیں جو دعوتِ حق کو پھیلانے اور توحید کی علمبرداری کرنے کی وجہ سے گھروں اور وطن تک کی قربانیاں دے سکتے ہوں، جو لمبے دَورِ ابتلاء کو صبر سے بھگت سکتے ہوں اور جو وقت آنے پر اسلام کی سربلندی کے لیے مزاحم و مانع قوتوں کے خلاف میدانِ جنگ میں اپنا لہو پیش کر سکتے ہوں۔ یعنی جن کی زندگیوں کا برسوں سے نصب العین ہی یہ رہا ہو کہ وہ اللہ کے دین اور اس کے قانون کو غالب کریں گے اور جب بھی قوت و اختیار ملے گا، اُسے اسی مقصد کے لیے استعمال کریں گے۔

یعنی غلبۂ اسلام اور نفاذِ شریعت کا عمل حکومت و قیادت سے بہت پہلے شروع ہوتا ہے، اور

اسی عملِ مسلسل کے نتیجے میں ایک دن نیکی کا راج قائم ہوتا ہے جو بدی کی قوت کو اُکھاڑ دیتا ہے۔ اس مسلسل عمل سے مدبروں اور کارپردازوں اور کارکنوں کی ایک منظم و مربوط ٹیم وجود میں آتی ہے، نیز اس کی وجہ سے اس ٹیم کے ہر فرد کا ذہن بنتا ہے اور کردار تشکیل پاتا ہے۔

بغیر اس عملِ مسلسل کے محض کسی اچھے جذبے کے فرد یا چند افراد کا میدان میں آکر یکایک یہ چاہنا کہ اقامتِ دین کا فریضہ انجام پا جائے، قرآنی شعور کے تحت قابلِ تصور نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ منفرق اور ادھورے نیک کام بھی ہو جائیں، مگر دوسری طرف خرابیوں کا ایسا طوفان بھی اُٹھ سکتا ہے کہ متفرق نیک کاموں کے جزیرے بھی زیرِ آب آجائیں۔

معروف کے نفاذ اور منکر کے انسداد کے لیے محض چند احکام اور چند سفارشوں اور اپیلوں سے کام نہیں چلتا۔ بلکہ اس بھاری کام کے لیے جامع منصوبہ بنا کر بڑی تدبیر کی سے لمبا کام کرنا پڑتا ہے اور اس میں جہاں محبت سے تعلیم و تلقین کا سلسلہ جاری رہتا ہے، وہاں دوسری طرف بعض مواقع پر سختی بھی کرنا پڑتی ہے۔ تعلیم و تہدید میں اگر توازن نہ ہو تو یا تو تہدید کے فقدان کی صورت میں احکام بے وقعت ہو جائیں گے، اور یا ضرورت سے زیادہ تہدیدی انداز کی وجہ سے وہ عوام کے لیے بارِ گراں بن جائیں گے۔ ایک اصولی چیز اقامتِ صلوٰۃ ہی کو لیجیے جو ذہنی اور اخلاقی تعمیر کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس کا حکم تو دے دیا جائے مگر تنفیذ کا پورا اہتمام نہ ہو، اداروں اور دفتروں کے کارپردازوں کو اس کا ذمہ دار نہ بنایا جائے اور ناکارہ ثابت ہونے والوں پر گرفت نہ کی جائے، زندگی کے کسی دائرے میں پابندِ صوم و صلوٰۃ ہونے کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو تو حکمِ صلوٰۃ مذاق بن جائے گا۔ پھر اگر بیک وقت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ فحش رقاصی یا رشوت و خیانت کا دَور دَورہ بھی رہے اور ان چیزوں کے انسداد کے لیے کوئی تدبیر نہ کی جاسکے تو یہ تضاد ایک اہم نیک اقدام کو خراب کر دے گا۔ اسی طرح اگر کارپردازوں کی صف ہی میں خلاف ورزیاں کرنے والے موجود ہوں تو کوئی بھی نیک سعی و تدبیر رائیگاں جا سکتی ہے۔

مدعا یہ کہ نفاذِ اسلام یا اقامتِ صلوٰۃ و ایتائے زکوٰۃ یا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داریاں انجام دینے کے لیے پوری بصیرت کے ساتھ منصوبہ بندی کرنا ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت بڑی لرزا دینے والی ہے - انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ "اے اللہ! جس شخص کو میری امت کی کسی بھی درجہ میں سرداری (قیادت) دی جائے اور پھر وہ امت کو تکلیف یا تنگی میں مبتلا کرے تو تو بھی اسے تنگی میں مبتلا کر" - اسی کا دوسرا پہلو بھی روایت میں ہے کہ جو امیر امت سے شفقت کا برتاؤ کرے تو بھی اس کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کر۔

تنگی اور تکلیف میں ڈالنے سے مراد یہی نہیں کہ اُن کو بلا جواز شرعی تلوار کا چارہ بنایا جائے اور لاٹھیوں سے تُوم دیا جائے یا جیلوں میں ڈال دیا جائے ، یہاں ایک لفظ مشقت میں وہ ساری تکلیف دہ صورتیں آگئی ہیں ، جو حاکم رعیت کے لیے پیدا کر سکتا ہے - مثلاً وہ انہیں ایسے معاشی حالات میں ڈال دیتا ہے کہ سکھ چین سے روزی حاصل نہیں کر سکتے ، اُن پر کارپردازانِ حکومت اور دفاترِ حکومت کی مسرفانہ تنخواہوں اور سامانوں کا بار ڈال دیتا ہے ، ٹیکسوں کے ذریعے قیمتوں کے بوجھ کو ناقابلِ برداشت بنا دیتا ہے ، ان پر قومی قرضوں کا کمر توڑ پشتارہ لاد دیتا ہے اور اس میں مسلسل اضافہ کرتا ہے ، اُن کی فریادوں کے راستے میں رکاوٹیں حائل کر دیتا ہے ، اُن کو فریاد اور تنقید و اختلاف اور مظاہرے کے حق سے محروم کر دیتا ہے ، اُن کی زبانوں اور قلموں کو جائز قانونی تحدیدات کے علاوہ دوسری پابندیوں سے جکڑ دیتا ہے تو یہ ساری چیزیں اُمت پر سختی کے ذیل میں آتی ہیں - معاشرے کی فضا میں اگر اس کی پالیسیوں سے گھٹن پیدا ہو جاتی ہے ، ہر طرف خوف مسلط ہو جاتا ہے - جرائم کا طوفان اُمڈنے لگتا ہے ، عورتیں اور بچے اغوا ہونے لگتے ہیں — جانوں ، مالوں اور عزتوں کو خطرات گھیر لیتے ہیں اور نظامِ احتساب و انصاف لوگوں کو تحفظ فراہم کر کے نہیں دیتا ، اگر ملتِ اسلامیہ کی قدریں بیرونی علوم اور ثقافت کے گھیرے میں آ کر برباد ہونے لگتی ہیں ، قوم کے بنیادی عقائد بیرونی نظریات کے حملوں سے خطرے میں پڑ جاتے ہیں ، اور ہر شخص کے حقوق کا راستہ اگر رشوت و خیانت کے عفریت روک لیتے ہیں تو یہ ساری صورتیں ایسی ہیں کہ لوگ دکھ اور مشقت اور تنگی اور پریشانی سے دوچار ہوتے ہیں -

چاہے یہ ناخوشگوار احوال براہ راست کسی فرد یا افراد کی قیادت نے خود پیدا کیے ہوں ، چاہے اُن کے معتمد علیہ افسر اور کارکن پیدا کریں اور ان کا کوئی نوٹس نہ لیا جائے ، ان سب کی ذمہ داری عنداللہ آخری صاحبِ اقتدار تک پہنچے گی -

پس جب بھی کوئی مسلمان برسر اقتدار آئے یا قیادت کی بھاگ ڈور رکھتا ہے، خدا کے رسولؐ کی اس وعید کو سامنے رکھے ۔ جس کی رُو سے عوام کی ہر مشقت و تنگی کی ذمہ داری اُس کے سر آئے گی ۔

ایک اہم اور جامع روایت اور ملاحظہ ہو ۔

حضرت عوفؓ بن مالکؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر یہ ارشاد آگے پہنچایا کہ "تمہارے امراء و قائدین میں سے بہترین وہ ہیں کہ تم اُن سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں، تم اُن کے لیے دُعائے رحمت کرتے ہو، وہ تمہارے لیے دُعائے رحمت کرتے ہیں ۔ اور بدترین امراء قائدین وہ ہیں کہ تم اُن سے نفرت کرتے ہو، وہ تم سے نفرت کرتے ہیں، تم اُن پر لعن طعن کرتے ہو وہ تم پر لعن طعن کرتے ہیں ۔

کتنا صاف اور واضح معیار ہے ۔ یہاں تک کہ اگر کسی غیر اسلامی معاشرے میں بھی دیکھا جائے تو یہ اصول یکساں کارفرما ملے گا کہ جب تک حکومت اور عوام کے درمیان محبت و اعتماد کا تعلق قائم رہتا نظام وقت مستحکم ہوتا ہے، اور جب حکومت اور عوام کے درمیان نفرت کا دَور شروع ہوتا ہے تو نظام میں کمزوری آجاتی ہے ۔ پہلی صورت میں دونوں طرف سے اچھی باتیں کہی جاتی ہیں، دوسری صورت میں فریقین باہم دگر بدگوئی کرتے ہیں ۔ کوئی بھی شخص کسی معاشرے میں اگر امارت و قیادت کے لیے بدگوئی کا چلن دیکھے تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ تخت میں تزلزل آرہا ہے ۔

حکومت کرنے کا مستحق وہی شخص ہے جسے قوم سے محبت ہو اور اس پر اعتماد ہو اور جواب میں یہی چیزیں اس کے لیے قوم کے اندر پائی جائیں ۔ بخلاف اس کے اگر کوئی شخص اپنی رعیت کی بُرائیاں کرتا ہے، عوام کے مختلف معتمد علیہ شرفا کو ناپسند کرتا ہے، وہ اگر قوم کی طرف سے ہمیشہ غلط اور ناروا امکانات کا اندیشہ رکھتا ہے اور دوسری طرف لازمی طور پر قوم بھی اس کے متعلق ایسا ہی محسوس کرے تو پھر حقیقی جواز حکومت ختم ہوجاتا ہے ۔

دُنیا کے اکثر حکمران فضا میں خلل آجانے کے بعد اوّل تو اپنے آپ کو خود ہی مغالطے میں رکھتے ہیں ۔ اگر کوئی خیرخواہ اُن کو صلاح و فلاح کی راہ بتاتا ہے تو اُسے مخالف یا نادان خیال کرتے ہیں ۔ پھر اُن کے

قریبی حواری موالی جو ان کو گھیرے میں لیے رہتے ہیں، انہیں یقین دلاتے رہتے ہیں کہ کرسی مضبوط ہے، چند سر پھروں یا احمقوں کی فضول حرکات سے اندیشہ کی کوئی بات نہیں۔ انہیں آسانی دبایا کچلا جا سکتا ہے۔ پھر دبانے کچلنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ حکومت جتنی کمزور ہوتی ہے اتنا ہی جبر کرتی ہے اور جتنا جبر کرتی ہے اتنی ہی زیادہ کمزور ہو جاتی ہے۔ اس چکر کے پیدا ہونے پر سب کچھ یکایک تہ و بالا ہو جاتا ہے۔

دنیا کی تاریخ میں ایسے صدہا درسِ عبرت موجود ہیں۔ خود پاکستان میں قریب کی دو تین گذشتہ حکومتوں کا تجربہ بڑا تلخ رہا۔ مگر ہر صاحبِ اقتدار اسی مغالطے میں رہا کہ اسے ہلایا نہیں جا سکتا۔ پھر جب وقت آیا تو بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔

دانا لوگوں کو تاریخِ حال کی دیوار پر لکھے جانے والے انتباہات کو بغور پڑھتے رہنا چاہیے۔ اگر حالات میں بگاڑ آئے تو ہر ممکن تدبیر کرنی چاہیے کہ قوم سے محبت و اعتماد کا رشتہ جلد سے جلد بحال ہو جائے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو تو پھر حکمت و بصیرت یہ ہے کہ تبدیلی کا راستہ ایسی خوبصورتی سے کھول دینا چاہیے کہ نئی قوت امن سے ایوانِ اقتدار میں داخل ہو اور جسے باہر جانا ہے وہ بھی کسی مصیبت میں پڑے بغیر ہنستا مسکراتا روانہ ہو جائے۔

حکمرانی کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اور قوم کے درمیان محبت و نفرت اور اعتماد اور بے اعتمادی اور اتفاق اور بے اتفاقی کے پیمانے پر ہر وقت نظر رکھے جیسے ڈاکٹر اپنے مریض کا ٹمپریچر دن میں کئی کئی بار لیتا ہے اور پارے کی حرکت کے ساتھ ساتھ دواؤں میں تبدیلیاں کرتا ہے۔

قائد اور قوم کے درمیان محبت و نفرت کا ذکر چلا تو یہ حقیقت بھی قابلِ توجہ ہے کہ ایسے لوگ تو بہت ہی نادان ہوتے ہیں جن سے کوئی بھی طبقہ خوش نہ رہے اور جن کی خیر خواہی کسی بھی حلقے میں باقی نہ رہے۔ تھوڑی سی حکمت و بصیرت ہو تو سیاسی کارپرداز اپنے اپنے معاشروں میں بعض متضاد و متصادم عناصر میں سے اس عنصر کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں جو ان کے نظریات اور نقشۂ کار میں ان سے ہم آہنگ ہو، خصوصاً کسی اسلامی معاشرے میں تو اس بات کا لحاظ رکھنا شدید لازم ہے کہ جو قوتیں نفاذِ اسلام

کے لیے میدانِ عمل میں ہوں، انہیں مخالفِ اسلام یا سیکولر قوتوں سے الگ پہچانا جائے۔ کم سے کم اُن کے ساتھ اعتماد کا رشتہ مضبوط ہونا چاہیے۔ اُن کی مدد سے حالات کو سمجھنا چاہیے۔ اُن کی نشاندہی سے خاص خاص عوامی مسائل اور اُن کے متعلق مناسب تدبیروں کو اختیار کیا جائے۔ اُن کے مخالف عناصر کو سرکاری ادارات، پریس، ذرائع ابلاغ، تعلیم، محکمہ داخلہ، نظامت خارجہ، مالیات اور دفاع میں زور نہ پکڑنے دیا جائے کہ وہ مناصب و اختیارات کی آڑ میں حالات کو بھی آہستہ آہستہ خراب کرتے چلے جائیں اور صاحبِ قیادت کے ذہن میں بھی مغالطوں کے جالے تانتے رہیں۔

حالات اگر یہ شکل اختیار کر جائیں تو بگاڑ کی پرورش کرنے والے تو اپنا کام کرتے رہتے ہیں، مگر صلاح و فلاح کے داعی بے بس اور بے اثر ہوتے جاتے ہیں۔ اوّل الذکر تو پہلے ہی سے مخالف تھے اور اپنی مخالفت کو خوشامد کے غول میں چھپا کر کام کر رہے تھے، مؤخر الذکر کوئی مؤثر کام عوام میں کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ نتیجہ یہ کہ تخریبی عناصر نفرت و بے اعتمادی کا روگ ساری قوم میں پھیلا کر بحران کا سروسامان مکمل کر لیتے ہیں۔

حضرت ابویعلیٰ معقل ابن یسار کی روایت میں بڑا خوفناک انتباہ ہے کہ جس شخص کو کسی رعیّت پر اقتدار دیا گیا، اُسے اگر موت اس حال میں آئی کہ وہ اپنی رعیّت کے حق میں خیانت کا رویہ اختیار کیے ہوئے تھا (وَهُوَ غَاشٌّ لِّرَعِيَّتِهٖ) تو ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی جنت حرام کر دی۔

صاحبِ اقتدار کی طرف سے ایک خیانت تو مال کی خیانت ہو سکتی ہے، دوسری یہ کہ وہ اپنے اختیارات کو اپنے یا اپنے اقربا کے مفاد کے لیے اور ذاتی مخالفین سے انتقام کے لیے استعمال کرے۔ خیانت یہ بھی ہے کہ اپنی رعیت کے مناصب کو ایسے لوگوں کے حوالے کرے جنہیں رعیّت ایمانی اور تہذیبی لحاظ سے اپنے لیے ضرر رساں سمجھتی ہو۔ خیانت یہ بھی ہے کہ قوانین اور پالیسیوں کا ظاہری پیرایہ تو ایسا ہو کہ لوگوں کو حسبِ مراد کچھ چیزیں دکھائی دیں، مگر اُن کے باطن میں غلط چیزیں لپیٹ لپاٹ کے رکھ دی گئی ہوں، یا اُن کا عملی نفاذ بُرے اثرات پیدا کرنے کا موجب ہو۔ اسی طرح آمد و صرف اموال اور ٹیکسوں کو پیش کرنے کا طریقہ بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ بظاہر قوم کو بڑی آمدنی کی توقعات دلائی جائیں۔

مگر درحقیقت وہ ہندسوں کی جادوگری ہو، یا اُن کے سامنے بعض مصارف کو اہم بنا کر پیش کیا جائے۔ مگر درحقیقت وہ یا تو مسرفانہ ہوں یا کچھ مضر مقاصد کو پورا کرنے والے ہوں قوم کے سامنے دفاعی یا معاشی حالات یا خارجہ پالیسی کی ایسی تصویر رکھنا جو محض دلخوش کن ہو، یہ بھی خلافِ دیانت ہے۔ بعض امور میں رازداری رکھنا یا لوگوں کی حوصلہ شکنی سے پرہیز کرنا اور چیز ہے۔ ایسے ادارے بنانا جن سے عوام میں خاص طرح کی اُمیدیں پیدا ہوں مگر اُن کی حقیقت محض نمائشی (ORNAMENTAL) ہو یا لوگوں کی پسند کے موضوعات پر ایسی کانفرنسیں جو محض ایک مشغلہ ہوں، یا قوم میں اچھی اچھی اُمیدیں پیدا کرکے پھر اُن کو پورا نہ کرنا، یہ سب کچھ درحقیقت عنداللہ سیاسی خیانت کی تعریف میں ہے۔

خیانت کے ان رویوں کا نتیجہ آخرت میں بالکل ہی تباہ کن ہے۔ ظاہر ہے کہ اربابِ اقتدار کی قوم سے خیانت اگر اللہ کو اس درجہ ناپسند ہے تو دُنیا میں بھی اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکل سکتا۔

میرا جی چاہتا ہے کہ کسی ملک میں کوئی خدا پرست اور رسولِ آخر زمان کا پیرو ایسی کوئی روش اختیار نہ کرے جو روایت مندرجہ بالا کی زد میں آئے۔

ایسی روش اختیار کرنے کی نوبت آنے سے پہلے ترکِ اقتدار بہت مبارک ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اپنے چچازاد بھائیوں کے ساتھ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مجلس کے بعد اس ارشادِ رسول کو بیان کیا کہ " ہم کسی ایسے شخص کو اِس کام (یعنی حکومت پر مقرر نہیں کرتے جو اس کا خواہش مند ہو یا اس کے لیے حرص رکھتا ہو۔"

حکومت کی خواہش و حرص رکھنے والے شخص سے یہ اندیشہ تو نمایاں طور پر ہوتا ہے کہ وہ کسی عہدے پر آکر اپنے لیے یا اپنے اقرباء کے لیے حصول مفاد کی کوشش کرے گا۔ اپنے ذاتی مخالفین کے خلاف اقتدار کی قوت استعمال کرے گا، لاکھوں انسانوں کی جانوں، مالوں اور عزتوں کی رکھوالی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا۔

دوسرا اندیشہ یہ ہے کہ خواہش و حرصِ اقتدار جس شخص میں کارفرما ہوگی وہ اپنی مسند کے ساتھ چمٹ کر رہ جائے گا۔ اگر ساری قوم کے اعتماد سے بھی وہ محروم ہو جائے، تو اُسے چھوڑنے (باقی بر صفحہ ۴۸)